

غیر اسلامی ممالک میں

## عقودِ فاسدہ و عقود باطلہ

کا حکم

سوال: غیر اسلامی ممالک میں عقود فاسدہ اور عقود باطلہ کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟  
اگر اجازت نہیں تو کتب فقہ میں لارہوالبین المسلم والحربی کے تحت یہ صراحت کہ  
حضرات طرفین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام محمد، رحمہما اللہ کے نزدیک والحرب میں عقود فاسدہ  
جائز ہیں اس کا کیا مطلب ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب حامداً و مصلیاً  
ضروری ہے کہ یہاں ایک وضاحت پہلے کر دی جائے جس پر مطلوبہ مسئلے کا دارو مدار بھی  
ہے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ امداد الفتاوی ص 157 ج 3 میں فرماتے ہیں۔  
”دونوں قولوں کے دلائل پر نظر کی گئی تو ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں۔“  
”اگر علی سبیل التنزل امام صاحب ہی کے قول کو لیا جائے تب بھی وہ مقید ہے قیود  
مذکورہ کے ساتھ:

نمبر 1 وہ محل دارالحرب ہو۔

نمبر 2 معاملہ ربوا کا حربی سے ہو۔

نمبر 3 مسلم اصلی سے نہ ہو اور نہ ذمی سے ہو اور مسلم اصلی وہ ہے جو دارالحرب میں  
آنے کے قبل اسلام لایا ہو خود یا تبعاً للآباء

نمبر 4 معاملہ کرنے والا وہ مسلم ہو جو دارالاسلام سے دارالحرب میں امن لے کر آیا ہو

یا وہ مسلم ہو جو دار الحرب ہی میں اسلام لایا ہو وہ مسلم اصلی نہ ہو جو خود دار الحرب میں رہتا ہو۔  
اس قید راجع کی تصریح کہیں نظر سے نہیں گزری، مگر اس قاعدہ کی تصریح ہے کہ روایات  
فقہیہ کے مفہیم حجت ہیں۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت میں دو باتیں محل نظر  
ہیں۔

1- معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو۔

2- امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں۔

ہم ترتیب سے دونوں باتوں کے بارے میں کچھ تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

کیا یہ شرط ہے کہ معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو

ہم کہتے ہیں کہ لاربوا بین مسلم و حربی ثم کی علت در مختار میں یوں ذکر ہے۔  
کیونکہ اس کا مال دار الحرب میں مباح ہے (باب الربوا۔ اور بدائع الصنائع میں یوں مذکور  
ہے۔

ان اخذ الربا فی معنى اتلاف المال و اتلاف مال الحربی مباح و هذا لانه  
لا عصمة لمال الحربی فنکان المسلم بسبیل من اخذه الا بطریق الغدر و  
الخيانة فاذا رضى به اتعدم معنى الغدر. (ج 7 ص 132)

سود لینے میں اتلاف مال کا معنی پایا جاتا ہے اور حربی کے مال کا اتلاف مباح ہے جس  
کی وجہ یہ ہے کہ حربی کے مال کو کچھ عصمت و تحفظ حاصل نہیں ہے۔ لہذا مسلمان حربی کا مال  
لے سکتا ہے، البتہ دھوکہ اور خیانت سے نہ ہو۔ تو جب حربی مال دینے پر راضی ہوا تو دھوکہ کا  
معنی معدوم ہوا۔)

اس تعلیل پر جو تضریعات ہیں وہ یوں ہیں۔

(الف) و منه يعلم حکم من اسلما ثم ولم يهاجرا. ای يعلم مما ذكره  
المصنف مع تعليله ان من اسلما ثم ولم يهاجرا لا يتحقق الربوا بينهما ايضا كما  
فی النهر عن الكرمانی و هذا يعلم بالا ولی (رد المحتار باب الربوا)  
مصنف رحمہ اللہ نے تعلیل کے ساتھ جو کچھ ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ دو حربی جو

دارالحرب میں مسلمان ہوئے اور انہوں نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو ان کے درمیان بھی سود ثابت نہیں ہوتا۔

(ب) ولو عاقد هذا المسلم الذی ذحل بامان مسلما اسلم هناک ولم بهاجر الینا جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ۔

وہ مسلمان جو دارالحرب میں ویزا لے کر داخل ہوا ہو اگر وہاں مسلمان ہونے والے شخص سے جس نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی سودی معاملہ کیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

(ج) وکذلک لو کان اسیرا فی ایدیہم أو اسلم فی دارالحرب ولم یہاجر الینا فعاقد حربیا۔

اگر دارالاسلام کا کوئی شخص حربیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہو یا دارالحرب کا کوئی شخص مسلمان ہو گیا ہو، اور یہ کسی حربی سے سودی معاملہ کریں تو جواز کا حکم ہے۔ ان تفریعات سے یہ بات سامن آئی کہ مسلم متامن اور مسلم حربی دارالحرب میں کافر عربی سے اور مسلم حربی سے سودی معاملہ کر سکتے ہیں اور وجہ جواز وہ علت ہے جو درمختار اور بدائع سے نقل کی گئی۔

مسلم متامن اور مسلم حربی کے علاوہ ایک صورت مسلم اصلی کی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کو دارالحرب میں مستقل سکونت کی اجازت مل گئی یا جس دارالاسلام کا وہ پہلے باشندہ تھا وہ دارالحرب میں تبدیل ہو گیا ہو۔

جب ہم علت پر نظر کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حربی کا مال مباح ہے خواجہ وہ کافر ہو یا مسلم ہو تو مفہوم مخالف سے نکلا کہ جو مسلم حربی نہ ہو خواہ وہ متامن ہو یا اصلی ہو اس کا مال مباح نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب حربی کا مال مباح ہے اور مسلم متامن اور مسلم حربی کو اس کا مال لینا مباح ہے تو مسلم اصلی کو بھی مذکورہ تعلیل کی رو سے اس کا مال لینا مباح ہوگا۔ کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تعلیل کی رو سے مسلم اصلی کے حق میں بھی حربی کا مال مباح ہوگا اور دارالحرب میں مسلم متامن کسی مسلم اصلی سے یا ایک مسلم اصلی کسی دوسرے مسلم اصلی سے سودی معاملہ نہیں کر سکتا۔

غرض یہ شرط نہیں ہے کہ حربی سے سودی معاملہ کرنے والا مسلم اصل نہ ہو اور مولانا

تھانوی رحمہ اللہ کے قول ”معاملہ کرنے والا مسلم اصلی نہ ہو“ سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

کیا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں؟

مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”اس کے بعد جو دونوں قولوں پر نظر کی گئی تو ابو یوسف رحمہ اللہ کے دلائل قوی ہیں، چنانچہ مفصل رسالہ تحذیر الاخوان میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے صرف ایک دلیل اس وقت ذکر کرتا ہوں۔ آیت تحریم ربوا میں ارشاد ہے۔ یا یہا لا ذین امنوا اتقوا للہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین اور ظاہر ہے کہ اس بقیہ ربوا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے لینے والے دینے والے سب حربی تھے، تو تحریم کے بعد اگر حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہوتا اور یہ نص قطعی ہے۔ ثبوتاً بھی دلالت بھی اور طرفین کی دلیل یا خبر واحد ہے یا قیاس جو کہ ظنی ہیں اور قطعی کی تقدیم کا وجوب ظنی پر اجماع ہے..... الخ (ص 158 ج 3 امداد الفتاویٰ)۔

اسی طرح مولانا تھانوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں۔

”جو احقر نے اس آیت سے سمجھا ہے۔ دار الحرب میں حربی سے سود لینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ بقایا سود زمانہ جاہلیت کا تھا جب کہ مکہ دار الحرب تھا۔ اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ ہر حال میں درست ہے۔ گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو مثلاً ایک نصرانی نے دوسرے نصرانی سے ایک روپیہ کی شراب خریدی ان کے لئے معاملہ حلال تھا۔ پھر دونوں مسلمان ہو گئے۔ باوجودیکہ اب ایسی بیع و

شراء درست نہیں، مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے۔ پس جب ربوا میں پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حلال نہ تھا۔ پھر حربی حربی میں درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہو گا۔“

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی اس بات کے جواب میں ہم کہتے ہیں: عقود میں اعتبار معنی کا ہوتا ہے اور جیسا کہ اوپر تفصیل گزری۔ معنی کے اعتبار سے مسلم و حربی کے درمیان سودی معاملہ ہونے سے سود کا لین دین نہیں بنتا، بلکہ مالک حربی کی رضا مندی سے اس کے اس مال کو لینا ہے جو مسلمان کے حق میں مباح ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگرچہ متعاقبین کی عبارت سود کے لفظ پر مشتمل ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں سود نہیں ہے۔ بلکہ مال مباح کو لینا ہے۔

غرض جب طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمد رحمہما اللہ اس کو سودی معاملہ سے خارج کرتے ہیں اور اس کو مال مباح لینا قرار دیتے ہیں تو ربوا سے متعلق نصوص کا اس پر اطلاق ہی نہیں ہوتا۔

مذکورہ آیت سے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا استدلال محل نظر ہے۔ کیونکہ حربی سے سود لینا محض اس علت سے حلال بنتا ہے کہ وہ مال مباح ہے جب تک وہ حربی رہے گا اس کا مال بھی مباح رہے گا، لیکن جب وہ حربی نہ رہے۔ مثلاً اس کا دار الحرب تبدیل ہو کر دار الاسلام بن جائے اور اس طرح وہ ذمی بن جائے یا اسلام قبول کر کے دار الاسلام کا مسلم باشندہ بن جائے تو اس کے مال کی اباحت ختم ہو جائے گی اور اس کو تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ اور اب ظاہر ہے کہ اس کو لینا جائز نہ ہوگا تو سود کے نام سے

جتنی رقم پر پہلے قبضہ ہو گیا وہ اباحت کی وجہ سے جائز ہوئی اور جتنی رقم قبضے میں آنے سے رہ گئی وہ اباحت ختم ہونے اور تحفظ و احترام حاصل ہونے کی وجہ سے ناجائز ٹھہری۔

ہماری اس بات سے مولانا تھانویؒ کی اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ ”اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ ہر حال میں درست ہے گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو۔“ جواب اس طرح سے ہے کہ سودی معاملہ کرنے سے مسلم کا حربی کے ذمے سود بطور حق واجب کے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ جب مسلم حربی کی رضا مندی سے بغیر غدر کے اس کے مال پر قبضہ کرتا ہے تو اب حربی کے ذمے بغیر کسی سابقہ استحقاق کے مسلمان اس کا مالک بن جاتا ہے اور جب اباحت ختم ہو گئی تو چونکہ حربی کے ذمے میں بھی نہیں تھا۔ لہذا اب مسلمان کے لئے اس کا مطالبہ بھی درست نہ رہا۔

رہا نصرانیوں کے مسئلہ پر قیاس تو اس کو مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں قیاس مع الفارق کہا ہے لکھتے ہیں۔

قلت قیاس مع الفارق ففي مسألة النصرانيين لو اسلما او احدهما قبل قبض الخمر بطل العقد ولم يكن للبائع ان يطالب المشتري بالثمن مع صحة البيع عند عقده كما مر فهذا هو لظير الربا الذي امر بتركه و هو ما بقى غير مقبوض عند ظهور الاسلام على الدار. واما اللذى ذكره الشيخ فانما هو نظير الربا الذى كان مقبوضا عند ظهور الاسلام ولم يثبت انه عليه السلام تعرض له بشئ. ولو كان العقد و كل ما اكتسب به قبل سيرورة الدار دار الاسلام راما لأمر النبى عليه السلام برده الى ارباب الاموال كما امر برد المظالم.

میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ نصرانیوں کے مسئلہ میں اگر شراب پر قبضہ

کرنے سے پیشتر دونوں نصرانی یا ان میں سے ایک مسلما ہو جائے تو عقد بیع باطل ہو جاتا ہے اور بالغ کو حق نہیں ہوگا کہ عقد کے وقت بیع کے صحیح ہونے کے باوجود وہ اب مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے۔ یہ نظیر اس ربوا کی ہے جس کو چھوڑنے کا حکم ہوا ہے اور یہ وہ ربوا ہے جو دار پر اسلام کے غلبہ کے وقت تک قبضہ میں نہیں لیا گیا تھا۔ رہی وہ صورت جس کو مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے یہ اس ربوا کی نظیر ہے جس پر غلبہ اسلام کے وقت قبضہ ہو چکا تھا اور یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے کچھ تعرض کیا ہو۔ اگر دار کے دارالاسلام بننے سے پیشتر ہونے والے عقد اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام ہوتی تو نبی ﷺ ضرور اس کے مالکوں کی طرف اس کو واپسی کا حکم فرماتے جیسا کہ ظلماء کی ہوئی اشیاء کی واپسی کا حکم فرمایا۔

ایسے عقد کے الفاظ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

آخر میں یہ بات رہ گئی ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”اتنا سوال اور بھی باقی رہ جاتا ہے کہ خود تلفظ بصیغۃ العقد کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس تلفظ کو محصیت نہ کہیں گے جیسے کسی مسلمہ فاسقہ سے نکاح ہونا موقوف ہے۔ اس کی رضا پر، اگر وہ رضا موقوف ہو کسی کلمہ فسقہ کے تلفظ پر تو اس تلفظ کا کیا حکم ہوگا؟ (ص 155 ج 3، امدادی الفتاویٰ)۔

جواب میں ہم کہتے ہیں:

1- صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

”لا يخفى هذا التعليل انما يقتضى حل مباشرة العقد اذا كانت الزيادة ينالها المسلم.

(باب الربوا)

اس میں خفا نہیں کہ یہ تعلیل ارتکاب عقد کی حلت کا تقاضا کرتی ہے جب کہ زائد مسلمان کو ملتا ہو۔ حل مباشرة العقد (یعنی ارتکاب عقد کی حلت) کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ زبان سے ایجاب و قبول یعنی صیغہ عقد کا تلفظ کرنا حلال ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔

”لان ابابكر قبل الهجرة حين انزل الله تعالى. آلم غلبت الروم. الآية

قالت له قريش ترون ان الروم تغلب قال نعم. فقال هل لك ان تخاطرنا  
فخاطرهم فاخبر النبي ﷺ فقال النبي ﷺ اذهب اليهم فزد في الخطر ففحل  
و غلبت الروم فاخذ ابو بكر خطره فاجازه النبي ﷺ وهو القمار بعينه بين ابي  
بكر و مشركي مكة و كانت مكة دار شرك. (باب الربوا)

ہجرت سے پہلے جب آیت آلم غلبت الروم نازل ہوئی تو قریش نے ابو بکر ؓ سے  
پوچھا کہ کیا آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ رومیوں کو غلبہ حاصل ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔  
قریش نے کہا کہ آپ ہم سے شرط لگاتے ہیں۔ ابو بکر ؓ نے ان سے شرط لگالی اور پھر نبی  
ﷺ کو آ کر خبر دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا قریش کے پاس جاؤ اور شرط کی مقدار میں اضافہ کر دو۔  
ابو بکر ؓ نے ایسے ہی کیا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوا تو ابو بکر نے شرط ٹھہرایا ہوا مال لے  
لیا۔ نبی ﷺ نے اس کو جائز رکھا یہ ابو بکر ؓ اور مشرکین مکہ کے درمیان عین قمار تھا اور مکہ اس  
وقت دار الحرب تھا۔ اس قصہ میں ابو بکر ؓ نے صیغہ کا تلفظ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس  
کو جائز رکھا۔

3- پراویڈنٹ فنڈ کے مسئلہ میں خود مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے جس کو حضرت  
مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور دیگر ارکان مجلس تحقیق نے صحیح اور رائج قرار دیا ہے۔  
مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

تنخواہ کا کوئی جز اس طرح وضع کر دینا اور پھر یکمشت وصول کر لینا اگر اس کے ساتھ  
سود کے نام سے کچھ رقم ملے یہ سب جائز ہے، کیونکہ درحقیقت وہ سود نہیں ہے۔

”بندہ کا مدت سے یہ خیال تھا کہ یہ بھی صلہ (یعنی انعام) ہے تسمیہ سود سے حرمت نہیں  
آئی۔“ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ ص 21)  
رد المحتار میں ہے۔

حتى لو باعهم درهما بدرهمين أو باعهم ميتة بدرهم أو اخذ مالا منهم  
بطريق القمار فذلك كله طيب له. (باب الربوا)

اس سے معلوم ہوا کہ عقود فاسدہ (مثلاً ایک درہم کی بیع دو درہم کے عوض) اور عقود  
باطلہ (مثلاً مردار کی بیع درہم کے عوض) دونوں کی اجازت ہے۔



البتہ وہی عقود جائز ہیں جن میں فائدہ یا زیادت مسلمان کو حاصل ہوتی ہو۔

لا يخفى ان التحليل انما يقتضى حل مباشرة العقد اذا كانت الزيادة ينالها

(فتح القدیر)

المسلم.

نوٹ: اصل مسئلے کے اعتبار سے یہ تفصیل لکھی گئی ہے۔ البتہ اگر حالات کا تقاضا ہو کہ اس پر عمل کو اختیار نہ کیا جائے۔ مثلاً لوگوں کی نا سمجھی کی وجہ سے عمل و اعتقادی مفاسد کا اندیشہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اس طرح لوگ ان صورتوں میں بھی جرات کرنے لگیں گے جو بالاتفاق ناجائز ہیں تو ترک کا قول کرنا مناسب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔